27

مشکلات کے وقت بہت زیادہ ہمت دکھانی چاہیئے!

(فرمودہ۔ ۲۵ر اگست ۱۹۱۶ء)

تشہد و تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر فرمایا:۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب ۲۳-۲۴)

کم ہمت انسان کبھی بھی دنیا میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنے ہاتھ سے اپنی کامیابی کو خود ضائع کرتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک کام کرتے کرتے جب اس حد تک پہنچتے ہیں کہ کامیابی کا وقت نزدیک آجاتا ہے تو اسے چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہوتی ہے جو کنواں کھودنے لگے لیکن جب کھودتے کھودتے ایسی ریت نکل آئے کہ جس کے بعد پانی نکلتا ہے تو ہار کر بیٹھ جائے کہ اب مجھ سے محنت نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ وہی وقت اس کی محنت کا ہوتا ہے اور اسی وقت تمام محنتیں ثمر لانے والی ہوتی ہیں۔ اور ان کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایسے وقت سستی کرتا اور ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے تو اور کب چستی کرے گا اس وقت کی سستی اس کی معمولی حیثیت کو بھی ضائع کر دے گی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ گر جائے گا۔ تو کم ہمت انسان اپنی نادانی کم ہمتی اور سستی کی وجہ سے ان تمام پھلوں اور ثمرات کو جو اسے محنت کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں ضائع کر دیتا ہے۔

لیکن ہمت اور استقلال والا انسان کبھی مصائب اور مشکلات سے

نہیں گھبراتا۔ بلکہ جتنے زیادہ مصائب اور مشکلات آئیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ اتنے ہی زیادہ جوش اور ہمت سے مجھے کام کرنا چاہیئے۔ اگر پہاڑوں کے پہاڑ مصائب کے اس پر ٹوٹ پڑیں۔ پھر بھی وہ اسی یقین اور استقلال سے کام کے لئے جاتا ہے۔ جو اسے پہلے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ خوب سمجھتا ہے۔ کہ جب خدا تعالٰے نے کام ہی ایسے بنائے ہیں۔ کہ انسان محنت۔ تدبیر اور لگاتار کوشش سے انہیں کرے تب کامیابی ہو۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مَیں پوری ہمت اور کوشش کئے بغیر چھوڑ کر بیٹھ رہوں۔ اور کام نہ کروں۔ میرے سامنے اگر کوئی روک واقعہ ہوتی ہے اور کوئی مشکل پیش آتی ہے تو مجھے تو اپنی انتہائی طاقت اور کوشش سے کام کرنا چاہیئے۔

اگر غور کیا جائے تو مصائب اور مشکلات کے وقت جس قدر محنت اور کوشش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اتنی کسی اور وقت نہیں ہوتی۔ گویا محنت کرنے کا اصل وقت وہی ہوتا ہے۔ کہ جس کے بعد کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا میں جس قدر کامیاب اور نامور لوگ گذرے ہیں ان کی زندگیوں پر اگر نظر کی جائے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے سب سے زیادہ کام کرنے کا وقت وہی ہوا ہے جبکہ سب سے زیادہ مشکلات ان کے سامنے آئی ہیں اور ان کے لئے سب سے زیادہ جراُت اور بہادری دکھانے کا وہی موقعہ ہوُا ہے جبکہ سب سے زیادہ خوف وخطر ان کو درپیش ہوُا ہے اور وہ سب سے زیادہ اسی وقت خطرہ اور تکلیف سے بے پرواہ ہوئے ہیں جبکہ حد سے زیادہ ڈر اور خوف ان کے سامنے آیا ہے۔

مَیں نے بارہا ایک صحابی کا واقعہ سنایا ہے۔ ان کا نام ضرار بن ازدر رضؓ تھا بڑے بہادر اور دلیر تھے اور بہادری میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ وہ ایک دفعہ ایسے دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے کہ جس کے مُقابلہ میں کئی مسلمان نکل کر شہید ہو چکے تھے۔ بعض بڑے بہادر مسلمان بھی اس کے مُقابلہ میں گئے۔ مگر وہ اتنا طاقتور تھا کہ باوجود ان کے ایمانی جوش اور جراُت کے ان کو اس نے شہید کر دیا۔ اس کے مقابلہ کے لئے ضرارؓ نکلے جب میدان کے درمیان میں پہنچے تو جلدی سے بھاگ کر واپس لوٹ آئے۔ اور اپنے خیمہ میں چلے گئے مسلمانوں میں تو ایک کمزور سے کمزور شخص بھی بُزدلی اور ڈر کا نام تک نہیں جانتا تھا۔

اور اس کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کسی کافر کے مقابلہ سے بھاگ آئے۔ اور وہ تو خاص شہرت اور ناموری رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے واپس لوٹنے سے مسلمانوں پر بہت بُرا اثر ہؤا۔ اور وہ گھبرا گئے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ ضرار کیوں واپس لوٹ آیا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ اس بات کے دریافت کرنے کے لئے ان کے پاس گئے۔

ایک صحابی ان کے خیمہ کے دروازہ تک ہی پہنچا تھا کہ وہ باہر نکل رہے تھے اس نے پوچھا۔ آپ نے یہ کیا کیا؟ تمام مسلمانوں میں سخت گھبراہٹ اور غیرت پھیلی ہوئی ہے اور وہ بڑے اضطراب سے دریافت کر رہے ہیں کہ آپ ایسا بہادر انسان ایک کافر کے مقابلہ سے کیوں بھاگ آیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ڈر کر نہیں واپس لوٹا تھا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ آج میں نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ جب میں دشمن کے مقابلہ کے لئے چلا۔ تو مجھے خیال آیا۔ کہ اس کافر نے کئی ایک مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے۔ اے ضرار! کیا تم نے دو زرہیں اس لئے تو نہیں پہنیں کہ تُو اس سے ڈر گیا ہے۔ اس خیال سے میں ایسا شرمندہ ہؤا کہ گویا میں خدا تعالیٰ کی ملاقات سے ڈرتا ہوں۔ اس بات کا مجھ پر اتنا خوف طاری ہؤا۔ کہ میں نے کہا کہ اگر ابھی میری جان نکل جائے تو میں جہنم میں ڈالا جاؤں گا اس لئے میں جلدی بھاگا بھاگا واپس آیا۔ اب میں نے زرہیں اتار دی ہیں اور اس کے مقابلہ کے لئے جا رہا ہوں[1]

چونکہ کافر نے ایسی ہمت دکھائی تھی کہ کئی صحابہ کو شہید کر دیا تھا اس لئے اس کے مقابلہ میں اس صحابی نے بھی ایسی ہی جرأت دکھائی۔ وہ ایک خاص دشمن تھا اس لئے اس صحابی نے کہا کہ بڑے دشمن کے لئے بڑے ہی دل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے اتنا بڑا دل دکھایا کہ زرہیں بھی اتار کر مقابلہ کے لئے گیا۔ اور جا کر مار لیا۔

تو جس قدر خطرہ بڑا ہوتا ہے بہادر اور جوانمرد انسان اس کے مقابلہ میں جرأت بھی اتنی ہی بڑی ہی دکھاتے ہیں۔ خطرہ سے ڈرنا اور خوف سے بھاگنا یہ تو بزدلی ہوتی ہے اور یہ بہت کم ہمت اور غیر مستقل مزاج انسانوں کا کام ہوتا ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص ہوتا ہے کہ دشمن سے ڈرتا نہیں بلکہ مقابلہ کرتا ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۹ حالات ضرار بن ازور۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ نہ صرف مقابلہ کرتا ہے بلکہ اس سے بالکل نڈر ہو جاتا اور ذرہ پرواہ نہیں کرتا کہ کیا نتیجہ نکلے گا۔ یہ اعلیٰ درجہ کی جرأت اور بہادری کہلاتی ہے۔ اور ایسے ہی لوگ جرأت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ دکھاتے ہیں۔ بزدل تو دشمن کے مقابلہ سے بھاگ جاتے ہیں اور دلیر مقابلہ کرتے ہیں اور جو بہت زیادہ دلیر اور بہادر ہوتے ہیں اور جن میں خاص ایمانی جرأت ہوتی ہے وہ نہ صرف مقابلہ کرتے ہیں بلکہ دشمن کو حقیر سمجھتے ہیں اور جب اس پر غلبہ پا لیتے ہیں۔ تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے دل پر جو ایک بوجھ سا پڑا ہوا تھا۔ وہ اُتر گیا ہے۔ گویا مقابلہ کرنا تو الگ رہا۔ وہ جرأت میں ایسے بڑھ جاتے ہیں کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی ان کی نظر میں کچھ وقعت اور حقیقت نہیں رکھتا۔ صحابہ کرام کی شان میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ اسی قسم کے تھے۔

جنگِ احزاب کے موقعہ پر دشمنانِ اسلام بہت زیادہ تعداد میں جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔ یعنی ان کا لشکر دس ہزار جوانوں پر مشتمل تھا۔[1] اتنا بڑا لشکر عرب میں اس قسم کی مقامی جنگوں میں پہلے کبھی جمع نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی ایسے چیدہ چیدہ لوگ کبھی اکٹھے ہوئے تھے۔ لیکن یہ لشکر خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ گویا ملک عرب نے اپنے تمام بہادر اُگل کر انہیں کہہ دیا تھا۔ جاؤ جا کر اسلام کو (نعوذ باللہ) بیخ و بُن سے اکھیڑ کر پھینک دو۔ تمام اقوام اور قبائل کے سردار اپنا اپنا لشکر لے کر آ گئے تھے۔ اور یہود جو مدینہ میں رہنے والے تھے ان کے ساتھ انہوں نے یہ منصوبہ گانٹھ رکھا تھا۔ کہ باہر سے ہم حملہ آور ہوں گے اور اندر سے تم مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا شروع کر دینا۔[2]

اس خطرناک حالت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ مسلمانوں کی تعداد منافقوں سمیت تین ہزار تھی۔ اور اگر منافق نکال دیئے جائیں تو اور بھی کم ہو جاتی ہے لیکن کفار دس ہزار تھے اور چنے ہوئے تھے اور یہ ایسا خطرناک موقعہ تھا کہ وہ منافق جن کی زبانیں مسلمانوں کے رعب کی وجہ سے بند تھیں اور جنہیں جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ مسلمانوں کے سامنے ایک حرف بھی نکال سکیں وہ بھی تمسخر اور استہزاء کرنے لگ گئے حتیٰ کہ

---

[1] ابن ہشام و طبقات ابن سعد غزوہ خندق۔ [2] سیرت ابن ہشام حالات غزوہ خندق۔

صحابہؓ جب خندق کھود رہے تھے تو ایک سخت پتھر سامنے آگیا۔ ہر چند اس کے اکھیڑنے کے لئے زور لگایا گیا۔ مگر وہ نہ اکھڑا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپؐ آئے اور آکر کدال سے اس پتھر پر ضرب لگائی۔ اس سے ایک شعلہ نکلا۔ آپؐ نے کہا۔ اللہ اکبر۔ صحابہؓ نے بھی یہی کہا۔ دوسری بار پھر ضرب لگائی۔ پھر شعلہ نکلا۔ آپؐ نے کہا۔ اللہ اکبر۔ صحابہ نے بھی یہی کہا۔ تیسری بار پھر اسی طرح ہوا۔ آپؐ نے کہا۔ اللہ اکبر۔ صحابہؓ نے بھی یہی کہا۔ تیسری دفعہ پتھر ٹوٹ گیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے اللہ اکبر کیوں کہی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ تینوں بار ضرب لگانے پر شعلہ نکلتا رہا ہے۔ اور ہر شعلہ میں مجھے ایک نظارہ دکھایا گیا ہے۔ پہلی دفعہ جو چمک ظاہر ہوئی۔ اس میں خدا تعالےٰ نے مجھے یمن کا ملک دیا۔ اور دوسری بار ملک شام اور مغرب کو اور تیسری بار مشرق کو مجھے عطا کیا[1]۔ جب آپؐ نے یہ کشف سنایا تو منافقوں نے کہہ دیا۔ کہ پاخانہ پھرنے کے لئے تو جگہ نہیں ملتی اور ملکوں کے فتح کرنے کی خوابیں آتی ہیں۔ تو ایسی نازک حالت ہو گئی تھی۔ کہ منافقوں کو بھی ہنسی اور مخول کرنے کی جرأت پیدا ہو گئی تھی۔

ایسی حالت میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ سچے اور پکے مسلمانوں نے کیا نظارہ دکھایا کہ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا[2]۔ جب کفار کا وہ بڑا عظیم الشان لشکر جو تمام عرب کے چنے ہوئے انسانوں پر مشتمل تھا۔ اس کی خبر ان کو معلوم ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خندق کھودنی اور کھدوانی پڑی اور مسلمانوں کی ان کے مقابلہ میں بہت قلیل تعداد تھی۔ تو اس وقت صحابہؓ نے کہا کہ یہ لشکر تو وہی ہے جس کے متعلق خدا اور اس کے رسولؐ نے پہلے سے ہی وعدہ دیا ہوا ہے۔ کہ ایک بڑا بھاری لشکر آئے گا اور ذلیل و خوار ہو کر واپس چلا جائے گا۔

دیکھو! بجائے اس کے کہ صحابہؓ کے دل گھبراتے یا نہ گھبراتے دشمن کا مقابلہ کرتے۔ لیکن انہوں نے اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ اس کے ساتھ ایمانی جرأت

---

[1] مسند احمد بن حنبلؒ و نسائی بحوالہ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۰۴ و صفحہ ۳۰۵۔ [2] سورہ احزاب ۲۳ ؏

اور جوش کی وجہ سے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ تو ہمارے رسول کی ایک پیشگوئی تھی جو سچی ہو رہی ہے۔ دیکھئے۔ منافقوں کو جو چیز موت نظر آرہی تھی۔ وہی ان کے لئے ایک عظیم الشان فتح اور کامیابی تھی۔ دشمن اگرچہ اس لئے آیا تھا کہ اسلام کو قطعہ عرب سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ مگر اسے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اس کے آنے کے ساتھ ہی اسلام نہایت مضبوطی سے گڑ جائے گا۔ کیونکہ مسلمانوں نے اس کو دیکھ کر کہہ دیا کہ خدا کی شان رسول کریمؐ نے اتنی مدت پہلے جو بات بتائی تھی اور جس طرح بتائی تھی اسی طرح آج پوری ہو رہی ہے اور چونکہ آپ نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ دشمن شکست کھا کر ناکام اور نامراد بھاگ بھی جائے گا۔ اس لئے بہت جلدی وہ بات بھی پوری ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا۔ صرف یہی نہیں ہوا کہ مسلمان کفار کے اتنے بڑے لشکر سے ڈرے نہیں اور جرأت اور دلیری سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ بلکہ وہ اس سے بھی بہت زیادہ بڑھ گئے کہ ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اور زیادتی ہو گئی۔ بجائے اس کے کہ ایسے خطرناک موقعہ پر وہ ڈگمگاتے اور فرمانبرداری کو چھوڑتے اسی پر قائم نہ رہے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ آگے بڑھ گئے اور پہلے کی نسبت بہت زیادہ فرمانبردار ہو گئے۔

یہی رنگ ہر ایک مومن کو ہمیشہ دکھانا چاہیئے۔ مومنوں پر کوئی مصیبت ایسی نہیں آتی کہ جس کی خبر پہلے سے انہیں نہیں کر دی جاتی۔ تمام وہ ابتلاء اور مصائب جو جماعتوں کے لئے آتے ہیں۔ ان کی نسبت اللہ تعالےٰ پہلے سے ہی کسی نہ کسی رنگ میں اطلاع دے دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بڑے بڑے ابتلاء آئے اور کئی ایک رنگوں میں آئے اور سب سے بڑا وہ ابتلاء تھا کہ جس سے جماعت میں تفرقہ پڑ گیا۔ اور دو گروہ ہو گئے۔ پھر اب وہ ابتلاء ہے جو مالی رنگ میں رہتا ہے۔ اور ایک مدت سے چلا آرہا ہے۔ اس زمانہ میں یہ بھی بہت بڑا ابتلا ہے۔ کئی لوگ ہیں جو اس سے گھبرا جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ہمت اور کوشش سے اس کا مقابلہ کریں۔ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہمیں بڑے چندے دینے پڑتے ہیں اس گھبراہٹ اور بزدلی میں پہلے جو چندہ دیتے ہیں وہ بھی دینا چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک مومن کے لئے یہ ابتلاء ایک طرح خوشی کا موجب ہیں کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے کہ آج سے کئی سال پہلے حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ

"خدا کا کلام مجھے فرماتا ہے کہ کئی حوادث ظاہر ہوں گے اور کئی آفتیں زمین پر اتریں گی۔ کچھ تو ان میں سے میری زندگی میں ظہور میں آئیں گی اور کچھ میرے بعد ظہور میں آئیں گی"۔ [1]

پس جس طرح صحابہؓ احزاب کو دیکھ کر کہہ اٹھے تھے کہ ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ اسی طرح انہیں کہنا چاہیئے تھا کہ یہ جو ابتلاء آرہے ہیں یہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی پہلے سے ہی بتا دیا تھا۔ "کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے اور کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے"۔ اس لئے جس طرح اس لشکر عظیم کو دیکھ کر صحابہؓ کے ایمان بجائے متزلزل ہونے کے اور زیادہ بڑھ گئے تھے اسی طرح وہ لوگ جو ہم سے جدا ہوئے۔ ان کو دیکھ کر ان کے ایمان بڑھنے چاہیئے تھے اور وہ یہ کہہ اٹھتے کہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا یہ ایک اور نشان ظاہر ہوا ہے کیونکہ آپ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس طرح ہوگا۔

نادان ہیں وہ لوگ جو اس قسم کے ابتلاؤں کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم پر بہت بڑا بوجھ پڑ گیا ہے اور ہمیں بڑے چندے دینے پڑتے ہیں۔ انہیں تو چاہیئے کہ ایسے وقت میں پہلے سے بھی زیادہ ہمت اور کوشش سے کام لیں۔ کیونکہ جو زیادہ مشکلات کے دن ہوتے ہیں ان میں زیادہ ہمت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ دیکھو جب کوئی زیادہ بیمار ہو جاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ دوا کھانا ہی چھوڑ دیتا یا احتیاط کرنا ہی ترک کر دیتا ہے۔ بلکہ اس وقت خاص طور پر وہ دوا استعمال کرتا اور خاص احتیاط کرتا ہے۔ دنیا کے تمام معاملات میں یہی دیکھا جاتا ہے۔ پس جب بڑی مشکلات کے وقت ہمت بڑھا دی جاتی ہے۔ اور زیادہ بیماری کے وقت علاج پر خاص زور دیا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان دینی مشکلات کے وقت زیادہ ہمت سے کام نہ لیا جائے اور اس سے بڑھ کر طاقت اور جرأت نہ دکھائی جائے جو پہلے دکھاتے تھے۔ اگر بعض لوگوں کا ارتداد یا بعض لوگوں کی سستی بیت المال اور

---

[1] الوصیت صـ5

دیگر صیغہ جات میں آمدنی کی کمی کا باعث ہوئی ہے تو چاہیئے تمہاری ہمت اور بھی زیادہ بڑھ جائے کہ اور بوجھ آ پڑا ہے۔ اس لئے پہلے کی نسبت حوصلے اور دل اور وسیع کرنے چاہئیں نہ یہ کریں کہ جس وقت مشکل زیادہ آ پڑے تو ہمت کم کر دیں۔

یہی وقت ایمان کو تازہ کرنے کا ہے۔ کیونکہ جب انسان دیکھتا ہے کہ باوجود ہر قسم کے سامان کے مخالف ہونے کے پھر خدا تعالٰی کی تائید اور نصرت ہمارے ساتھ ہے تو اس کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو ایسا مضبوط کر دیا تھا کہ کوئی بڑی سے بڑی مصیبت اور تکلیف انہیں متزلزل نہیں کر سکتی تھی۔ یہی کہ وہ دیکھتے تھے کہ کہ ہر مصیبت اور ہر مشکل جو ہمیں پیش آتی ہے اس میں خدا کی نصرت زیادہ سے زیادہ ہی دیکھی جاتی ہے۔ یہی باعث تھا کہ جب احزاب میں لشکر جمع ہو کر آیا تو انہوں نے سمجھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا ہے اب دوسرا حصہ بھی پورا ہو گا۔ جو یہ ہے کہ لشکر ناکام اور نامراد ہو کر بھاگ جائے گا۔ گویا دشمن کا آنا بھی ان کے لئے ایمان کی زیادتی کا موجب ہؤا اور جانا بھی۔ اور ہر حالت میں ان کے لئے ایمان کی زیادتی تھی یہی حال خدا کے پیارے بندوں کا ہوتا ہے۔

یہاں رہنے والے لوگوں نے دیکھا ہو گا کہ مولوی عبدالکریم صاحب اور مبارک احمد کی بیماری میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو علاج معالجہ کا کس قدر خیال ہوتا تھا۔ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ اپنے سلسلہ کی ترقی انہی کی زندگی پر سمجھتے تھے۔ ان ایام میں سوائے اس کے اور کوئی ذکر ہی نہ ہوتا تھا۔ کہ کس طرح علاج ہو اور کیا علاج کیا جائے۔ لیکن ان کی وفات کے وقت کیا ہؤا یہی کہ یکلخت آپ کی ایسی حالت بدلی۔ کہ حیرت ہی ہو گئی۔ یا تو اتنا جوش کہ صبح سے لے کر شام تک انہی کے علاج معالجہ کا ذکر یا آپ اس بات پر ہنس ہنس کر اور نہایت بشاش چہرہ سے تقریر فرما رہے ہیں کہ ان کی وفات کے متعلق خدا تعالٰی نے پہلے سے ہی بتا دیا ہؤا تھا۔

جب مبارک احمد کی وفات ہوئی تو بعض اشخاص کو اس سے گھبراہٹ ہوئی مجھے خوب یاد ہے کہ جب مبارک کا دم نکلا۔ تو حضرت مولوی نور الدینؓ۔ خلیفہ

رشید الدین صاحب اور ڈاکٹر یعقوب بیگ وہاں موجود تھے۔ حضرت مولوی صاحب نبض دیکھ رہے تھے آپ نے نبض دیکھتے دیکھتے حضرت صاحب کو کہا حضور حالت نازک ہے مشک لائیں۔ حضرت صاحب ابھی مشک لائے بھی نہ تھے کہ دم نکل گیا۔ حضرت مولوی صاحب نے چونکہ حضرت صاحب کو مبارک احمد کی بیماری میں خاص محبت اور خاص جوش سے علاج کرنے اور خیال رکھتے دیکھا تھا۔ اس لئے جہاں کھڑے تھے وہیں بیٹھ گئے اور منہ سے کچھ نہ کہہ سکے۔ دوسرے لوگوں نے بھی یہی خیال کیا۔ کہ حضرت صاحب کو اس سے بڑا صدمہ ہوگا۔ لیکن حضرت صاحب کو دیکھو۔ آپ نے جہاں مشک رکھی ہوئی تھی۔ وہیں کارڈ اور لفافے بھی رکھے ہوئے تھے۔ جب آپ نے مبارک احمد کے فوت ہو جانے کے متعلق سُنا تو وہیں سے مشک نکالنے کی بجائے کارڈ اور لفافے نکال کر خط لکھنے شروع کر دیئے کہ مبارک احمد فوت ہو گیا ہے۔ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس وقت آپ کے چہرہ پر کسی قسم کی گھبراہٹ کا کوئی نشان نہ تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کوئی بہت بڑی فتح نصیب ہوئی ہے پھر آپ باہر تشریف لائے۔ ابھی تک لوگوں کو معلوم نہ ہوا تھا کہ مبارک احمد فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے رضا بالقدر کے متعلق ایک لمبی تقریر شروع فرما دی آپ کے چہرہ سے ایسی بشاشت ٹپکتی تھی کہ گویا کسی بڑے دشمن کو شکست دے کر آئے ہیں۔ تو مومن پر جو مصائب اور ابتلاء آتے ہیں۔ وہ اس کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں کیونکہ خدا کی طرف سے اسے بتایا جاتا ہے اس لئے اس کے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔

مومن پر ہر ایک مصیبت جو آتی ہے۔ وہ اپنے ساتھ دو نشان رکھتی ہے ایک اس کے آنے کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور ایک جانے کے ساتھ۔ جب آنے والا پورا ہو جائے جو دشمنوں سے تعلق رکھتا ہے۔ تو پھر اس کے جانے والا نشان پورا ہونا ہوتا ہے جو مومنوں سے متعلق ہونا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں۔ اور جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان کا ایمان بہت ترقی کر جاتا ہے۔

اس قسم کے مصائب وغیرہ کا آنا خدا تعالٰے کی سنّت ہے۔ جو پہلے لوگوں سے ہوتی آئی ہے۔ اس زمانہ میں اس کے خلاف ہماری جماعت کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا

یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہماری جماعت وہ انعامات تو حاصل کرے جو پہلے لوگوں نے حاصل کئے تھے مگر ان مشکلات سے نہ گزرے۔ جن سے پہلے لوگ گزرے ہیں۔ جس محنت۔ ایثار اور قربانی کے بعد پہلے لوگوں نے شیریں پھل کھائے ہیں وہی ہمیں کرنی پڑے گی۔

پس ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ان مصائب اور مشکلات سے گھبرائے نہیں بلکہ اور آگے بڑھے۔ جو کم حوصلہ گھبرا جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم کہتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح موعودؑ نے نہیں فرمایا تھا۔ کہ مصائب پر مصائب آئیں گے ضرور فرمایا تھا۔ اب آپ کی یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے لیکن آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مصائب کے بادل چھٹ بھی جائیں گے۔ پس جب ایک پہلو پورا ہو رہا ہے۔ تو ضرور ہے کہ دوسرا بھی پورا ہو۔ اور مبارک ہے وہ جو دوسرا پہلو پورا ہونے تک صبر اور استقلال سے کام لے۔ اور اپنے آپ کو ملنے والے انعامات کا مستحق بنالے کیونکہ یہ مصیبتیں اپنے ساتھ بشارت کی ہوائیں رکھتی ہیں۔ قبل اس کے کہ یہ فساد یہ مصیبتیں اور یہ فتنے ہوتے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ ایسا ہوگا۔ چنانچہ وہ وقت آگیا اور اس نے بتا دیا کہ جو کچھ خدا کے برگزیدہ مسیح نے کہا تھا وہ پورا ہو گیا پھر اس نے کہا تھا کہ جب وہ فتنے آئیں گے تو تم میں سے جو استقلال کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں گے۔ اور ہر قسم کی قربانی کر کے دکھا دیں گے وہ کامیاب ہو جائیں گے پس جب ایک بات پوری ہو گئی ہے تو چاہیئے کہ تم دوسری کے پورا ہونے کے لئے پوری ہمت اور کوشش سے کام لو۔

یہ مصائب اور ابتلاؤں کے دن کامیابی کی کلید ہوتے ہیں۔ لیکن ضرور ہے کہ وہ لوگ جو دوسرے دنوں کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ سنت قدیمہ کے مطابق اپنے مالوں اور اپنی جانوں کی قربانی کر کے دکھائیں۔ پس ان مصائب اور مشکلات میں خواہ وہ مالی ہوں یا جانی۔ خواہ دشمنوں کے شر کے متعلق ہوں یا اپنی غلطیوں کے نتیجہ میں۔ ان میں چاہیئے کہ مومن اپنے ایمان کو اور زیادہ بڑھائیں اس طرح کرنے سے وہ ان انعامات کے وارث ہو جاتے ہیں جو خدا تعالے نے اپنے ایسے بندوں کے لئے مقرر کئے ہوئے ہیں۔

یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ جو شخص خدا تعالے کے راستہ میں کچھ دیتا ہے وہ کھوتا نہیں۔ دیکھو خدا تعالے کی بنائی ہوئی زمین میں اگر کوئی ایک دانہ

ڈالتا ہے۔ تو اس سے سینکڑوں دانے نکلتے ہیں اور یہ جسمانی زمین ہے لیکن اگر کوئی روحانی زمین میں بیج ڈالے۔ تو اس کے پھل اس سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کبھی کوئی اس تجارت سے گھاٹا نہیں پا سکتا۔ خدا تعالےٰ نے اپنے لئے یہ بات خاص کر چھوڑی ہے کہ جب بندہ اس سے لین دین کرتا ہے تو نفع ہی نفع حاصل کرتا ہے۔ چونکہ سود بھی ایک قسم کا نفع ہے جس میں نفع ہی نفع ہوتا ہے۔ نقصان نہیں ہوتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس فعل کو اپنے لئے خالص کرنے کے لئے بندوں کو منع کر دیا ہے کہ وہ سود نہ لیں یہ خدا تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ کہ وہ نفع ہی نفع دیتا ہے۔ پس جب خدا کو اتنی غیرت ہے۔ کہ اس نے بندوں کو اس قسم کے لین دین سے بھی منع کر دیا ہے تا کہ یہ صرف خدا ہی کی خصوصیت رہے۔ حالانکہ بندوں کا فعل خدا تعالےٰ کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر اور لاشئے ہے اور اکثر دفعہ سود کی بجائے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ تاہم خدا تعالےٰ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ پس وہ جو اس کی رضا کے لئے کچھ خرچ کرتا ہے کبھی نقصان نہیں اٹھاتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ (الاحزاب۔ ۲۴) کہ مومنوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے ساتھ جو انہوں نے وعدہ کیا تھا اس کو انہوں نے سچا کر دکھایا اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں کہ انہوں نے جو نذر مانی تھی اسے پورا کر سکے ہیں یعنی خدا کی راہ میں انہوں نے اپنے آپ کو ایسا لگایا کہ اپنی جان بھی دے چکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ جان تو نہیں دے چکے مگر وہ یہی عہد کئے بیٹھے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالےٰ چاہے جان لے لے۔ یہ اور بات ہے کہ ابھی تک ان کی جان اللہ تعالےٰ نے نہیں لی مگر وہ پیچھے نہیں ہٹے۔ اور نہ ہٹیں گے۔ چنانچہ صحابہؓ میں اس کی بڑی بڑی نظیریں مل سکتی ہیں۔ ینتظر کی مثال تو یہ دیکھ لیجئے کہ خالد بن ولید ابتدائی صحابہ میں سے نہیں تھے۔ جس بیماری میں انہوں نے وفات پائی۔ اس کے متعلق ان کے ایک دوست کہتے ہیں۔ کہ میں انہیں ملنے کے لئے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ آپ کیوں روتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ میں اس لئے روتا ہوں کہ میں سالہا سال جنگ کرتا رہا ہوں اور خطرناک سے خطرناک جگہ تلاش کر کے وہاں گھستا رہا ہوں۔

کیونکہ مَیں چاہتا تھا کہ خدا تعالیٰ مجھے شہادت دے لیکن باوجود اس کے کہ میرے سر سے لے کر پاؤں تک تمام جگہ زخم لگے۔ اور کوئی جگہ ایسی نہ رہی جہاں زخم نہ لگا ہو۔ مگر آج مَیں چارپائی پر مر رہا ہوں۔ اور مجھے شہادت نصیب نہیں ہوئی۔[1]

انہوں نے یہ اپنے جوش اور ایمان کی زیادتی کی وجہ سے کہا۔ ورنہ درحقیقت ہر ایک زخم کا وہ نشان جو ان کے بدن پر پڑا ہوا تھا ان کے لئے شہادت تھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کہاں شہید ہوئے۔ مگر جس طرح آپ نبی تھے اسی طرح صدیق اور شہید بھی تھے۔ ہاں آپ کی شہادت تلوار سے نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ ضروری تھا کہ آپ کی جان کی حفاظت کی جاتی اگرچہ یہ بات آپ کے درجہ اور علوشان کے خلاف تھی۔ کہ آپ شہید ہوتے۔ مگر آپ نے خدا کی راہ میں جان تک دینے سے بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ اسی طرح اور کئی ایک صحابہؓ دنیا کی نظر میں تو شہید نہیں ہوئے مگر خدا کی نظر میں شہید ہیں۔ کئی انسان چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مگر خدا کے لئے وہ شہید ہو چکے ہوتے ہیں اور ہر منٹ ان پر موت وارد ہوتی ہے۔ یہی ایمان کا وہ درجہ ہے جس کی طرف خدا تعالیٰ بلاتا ہے۔ اور اس قسم کا ایمان رکھنے والوں کا ذکر اس لئے کرتا ہے کہ تا دوسروں کے لئے باعثِ ترغیب ہو۔ فرماتا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے راستہ میں ایسے لگا دیتے ہیں۔ کہ موت تک پیچھے نہیں ہٹتے۔ بلکہ آگے ہی آگے بڑھتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ گو وہ زندہ ہوتے ہیں مگر ہر منٹ اور ہر ساعت وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کب ایسا موقعہ آئے کہ ہم اپنی جان بھی لڑا دیں۔ یہی ایمان خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔ اور یہی وہ ایمان ہے جو خدا تعالیٰ کے انعامات کا وارث بناتا ہے ورنہ صرف زبانی دعوے سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔

ہماری جماعت میں ابھی ترقی کا بہت میدان کھلا ہے اور ترقی تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عظیم الشان انسان بھی ترقی کر رہا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔ تو اور کون ہے جو ترقی کے تمام مدارج طے کر لے مگر ہماری جماعت کے لئے اس درجہ تک پہنچنے کے لئے بھی بہت میدان باقی ہے جو صحابہؓ نے حاصل کیا تھا۔ اور بہت لوگ ایسے ہیں جنہیں ضرورت ہے۔ کہ

---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ حالات خالد بن ولید و تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۲۷۵

اسی رنگ میں رنگین ہو جائیں جس میں صحابہ رنگے گئے تھے۔ اپنا مال اپنی جان اپنا آرام جس طرح صحابہ نے قربان کیا تھا اسی طرح ان کو بھی کرنا چاہیئے ہماری قربانیاں صحابہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں لیکن جب تک ہم بھی وہی قربانیاں نہ کریں گے جو صحابہ نے کی ہیں اس وقت تک اس انعام کے مستحق نہیں ہو سکیں گے جو صحابہ کو ملا تھا۔ اللہ تعالےٰ کا کسی سے رشتہ نہیں اس لئے اس نے جس طرح پہلوں پر انعام کئے تھے اسی طرح اب اور آئندہ بھی کر سکتا ہے اور جو کوئی اس کی طرف جھکے اس کو وہی درجہ دے دیتا ہے۔ جو جھکنے والوں کو پہلے دیتا آیا ہے۔

اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہماری جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں اور کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ کئی ہیں جنہوں نے خدا کے راستہ میں جانیں قربان کر دی ہیں۔ سید عبداللطیف صاحب شہید اور ان کے شاگرد نے اپنی جان دینی منظور کر لی۔ مگر ایمان نہ دیا۔ پھر اور بہت سے بزرگ تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم۔ پھر ایک تعداد ایسے مردوں کی زندہ بھی ہے۔ ایک تو وہ تھے کہ فوت ہو گئے مگر اپنے عہد کو نہ توڑا اور ایک وہ ہیں جو اس دن کے منتظر بیٹھے ہیں کہ خدا کے دین کی خدمت کرتے کرتے جان نکلے۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے ہمارا ایک مخلص بھائی دنیا سے گزرا ہے اس کا میرے ساتھ بہت تھوڑی مدت تعلق رہا ہے۔ مگر میں نے اس عرصہ میں اسے دیکھا ہے کہ وہ مَنْ يَّنْتَظِرُ کے گروہ میں شامل تھا۔ یہ ذکر میں نے اس لئے نہیں کیا کہ اس کی وفات سے ہمارے سلسلہ کو کوئی بڑا نقصان پہنچا ہے۔ بلکہ دوسروں کو اس طرف متوجّہ کرنے کے لئے کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان صحابہ کے لئے جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ اسی طرح فرمایا تھا ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے سلسلہ احمدیہ کی ترقی وابستہ ہے یا فلاں شخص سے جو ہم میں نہیں رہا وابستہ تھی۔ خدا تعالےٰ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ہر ایک انسان اس کا محتاج ہے۔ پس میں یہ ذکر اس طور پر نہیں کرتا کہ ہمارے اس بھائی کے فوت ہو جانے سے سلسلہ احمدیہ کو کوئی نقصان پہنچا ہے کیونکہ نقصان کسی آدمی کے جانے سے نہیں پہنچ سکتا۔ خدا تعالےٰ جس نے اس کو قائم کیا ہے

وہی اس کو چلاتا ہے۔ ہاں ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ایک انسان کا انجام اچھا ہوگیا اور اس طرح ذکر کرنے سے لوگوں میں اس کے متعلق دعا کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ اسی رنگ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کا ذکر فرمایا تھا۔ اور اسی رنگ میں حضرت مسیح نے ذکر کیا۔ اور اسی رنگ میں میں ذکر کرتا ہوں۔

میں نے قاضی عبدالحق صاحب کو دیکھا ہے۔ آپ ترجمۃ القرآن کا کام کرتے تھے ان کی محنت میرے لئے قابلِ حیرت ہوتی تھی۔ میں بڑا تیز لکھنے والا ہوں۔ اور خدا کے فضل سے بہت تیز لکھ سکتا ہوں۔ اور بھی تیز لکھنے والے ہوں گے لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ مجھ سے زیادہ تیز لکھ سکتا ہو۔ میں مضمون کے سو سوا سو صفحے ایک دن میں لکھ سکتا ہوں۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ اگرچہ ترجمہ کرنے کا کام مشکل ہوتا ہے۔ تاہم اگر میں تھوڑی دیر کے لئے بھی ترجمۃ القرآن کے کام کو چھوڑ کر کسی اور کام میں لگ جاتا تو یہ نہیں ہوتا تھا کہ قاضی صاحب مجھ سے پیچھے رہ جاتے۔ میں جب یہ سمجھتا کہ اب ان کے پاس کافی مضمون ہوگیا ہے اور کسی اور کام میں مصروف ہوتا اور ان سے ترجمہ کے متعلق پوچھتا۔ تو وہ یہی کہتے اور مضمون دیجئے۔ پہلا ختم ہو چکا ہے۔ اور پھر اس کام کے ساتھ وہ مدرسہ میں بھی پڑھاتے۔ پھر میں رات کے وقت مقابلہ کرنے لگے لئے ان سے ترجمہ سنتا تو گیارہ اور بارہ بجے رات تک سناتے رہتے۔ دس بجے تک تو ضرور ہی سناتے۔ اس کے بعد وہ اپنے مکان پر جاتے تھے۔ گویا عصر سے لے کر کم از کم رات کے دس بجے تک میرے پاس رہتے اس کے بعد جاکر ترجمہ کرتے اور صبح مدرسہ میں پڑھاتے۔ پھر یہ کام ایک دن کا نہ تھا بلکہ ایک لمبے عرصہ تک ہوتا رہا۔ لیکن وہ اس سے ذرا نہ گھبراتے اور جس طرح ایک چیز کی حرص ہوتی ہے اس طرح مجھ سے کام مانگ لیتے اور کہتے کہ فلاں کام بھی میرے سپرد کر دیا جائے۔ ایسے لوگ خدا تعالےٰ کے انعام پانے سے خالی نہیں رہتے۔ وہ لوگ جو ان کے کام سے واقف ہوتے ہیں ان کے منہ سے ان کے لئے بے اختیار دعائیں نکلتی ہیں۔ چنانچہ قاضی صاحب کی بیماری میں میں نے دیکھا ہے یہاں کے لوگ بڑے فکر سے ان کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ یہ ان کے اس کام کا نتیجہ تھا جو انہوں نے خدا تعالےٰ کے لئے کیا۔ میں نے بھی ان کے لئے دعائیں

کیں اور ہماری جماعت کے لوگوں نے بھی کیں۔ خدا تعالےٰ جب چاہتا ہے کسی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اور جب نہیں چاہتا۔ نہیں کرتا۔ لیکن اگر جس رنگ میں دعا کی جائے اس رنگ میں قبول نہ ہو تو جس کے لئے دعا کی جائے اسے کوئی اور فائدہ پہنچ جاتا ہے اور اس کے لئے ترقی مدارج کا باعث ہو جاتی ہے۔ ہم نے جو دعائیں قاضی صاحب کے متعلق کیں یقیناً وہ ان کے لئے ترقی مدارج کا باعث ہو گئیں۔

تو خدا تعالےٰ اپنے راستہ میں کام کرنے والوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ پس ہماری جماعت کے لوگوں کو چاہیئے۔ کہ جو اس آیت کے مستحق ہیں وہ اور زیادہ ترقی کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ بس ہم پوری ترقی کر چکے ہیں اور جو مستحق نہیں وہ مستحق بننے کی کوشش کریں۔ اور ایسی محنت اور کوشش کریں۔ کہ خدا تعالےٰ کے حضور انہیں میں شامل ہو جائیں۔ جن کے متعلق آیا ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ ایسے لوگوں کی خدا تعالےٰ دنیا میں بھی قبولیت بڑھا دیتا ہے اور ان کے لئے لوگوں کے منہ سے دعائیں نکلتی ہیں۔

سو یہ میری نصیحت ہے۔ اس کو خوب یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جو کچھ کوئی خرچ کرتا ہے وہ ضائع نہیں جاتا۔ اس لئے اپنے مالوں اپنی جانوں اپنے وقتوں غرضیکہ ہر ایک چیز کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔ اور جو تم میں سے اعلیٰ نمونہ رکھتے ہیں ان کو دیکھو اور ان کے نقشِ قدم پر چلو۔ تاکہ ان میں شامل ہو جاؤ۔ جن کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ اس دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے۔ اس قلیل عرصہ کو ضائع نہ جانے دو۔

اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو توفیق دے کہ اس کا ہر ایک فرد اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرے کہ اسے خدا تعالےٰ کے قرب کا مقام حاصل ہو جائے۔

(الفضل 9 ستمبر 1916ء)